ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ظہور خان

پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اردو نادرن یونیورسٹی نوشہرہ۔

ڈاکٹر سید طاہر علی شاہ

صدر شعبہ اردو نادرن یونیورسٹی نوشہرہ ۔

انسان دوستی: تعارف و تفہیم — ایک مطالعہ

Zahoor Khan
PhD Research Scholar, Department of Urdu, Northern University, Noshehra.
Dr. Syed Tahir Ali Shah
Chairperson Department of Urdu, Northern University, Noshehra.

Humanism: An Introduction and Conceptual Understanding — A Study

Humanism is a fundamental concept in human civilization, philosophy, religion, and literature, founded on the principles of human dignity, freedom, equality, love, tolerance, and justice. This paper presents a scholarly examination of the concept of humanism. It explores its literal and terminological meanings, its evolution from Greek philosophy through the Renaissance to modern Western thought, its foundations in various religions, particularly Islam, and its critical expression in literature. The study demonstrates that humanism is not merely an ethical doctrine but a comprehensive intellectual, cultural, and social system that advocates respect for human beings as human beings and the protection of their freedom, dignity, and fundamental rights. In the light of selected passages from the text under study, the paper establishes that the fundamental objective of humanism is the purification of the human self, the reform of society, and the creation of a humane society based on justice and equality.

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

ماخذ تحقیقی مجلہ

Key Words: *Humanism, Concept of Humanity, Humanity, Philosophy, Ethics, Religions, Renaissance, Human Dignity, Social Justice, Literature.*

انسان اس کائنات کی سب سے منفرد اور باوقار مخلوق ہے۔ اس کی امتیازی خصوصیات میں عقل، شعور، ارادہ، تخلیقی صلاحیت اور اخلاقی احساس شامل ہیں۔ انہی اوصاف کی بنا پر انسان ہمیشہ فلسفے، مذاہب، تہذیب اور ادب کا مرکزی موضوع رہا ہے۔ دنیا کی ہر مہذب قوم نے کسی نہ کسی صورت انسان کی عظمت اور اس کے مقام پر غور کیا ہے۔ یہی غور و فکر بعد ازاں "انسان دوستی" کے نظریے کی بنیاد بنتا ہے۔ انسان دوستی دراصل ایک ایسا فکری رویہ ہے جو انسان کو تمام مادی، نسلی، مذہبی، جغرافیائی اور طبقاتی امتیازات سے بالاتر ہو کر صرف "انسان" ہونے کی بنیاد پر عزت دینے کا قائل ہے۔ اس نظریے کے مطابق ہر انسان برابر احترام، آزادی، انصاف اور بہتر زندگی کا حق رکھتا ہے۔

یہاں پر بھی اسی حقیقت کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان پوری کائنات کی اصل غایت ہے۔

> "انسان خدا کی احسن تخلیق ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم، مگر پوری کائنات کی اصل غایت انسان ہی ہے۔ عالم میں رنگا رنگی، حسن و جمال، ہنگامہ خیزی، گہما گہمی اور نظم و توازن انسان ہی کے دم سے ہے۔"[۱]

یہاں پر اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ انسان کو محض حیاتیاتی وجود نہیں بلکہ پوری کائنات کا شعوری اور اخلاقی مرکز سمجھا گیا ہے۔ اسی لیے دنیا کے تمام بڑے فلسفی، مفکر، مصلح اور ادیب انسان کی عظمت، اس کے حقوق اور اس کی فلاح کے لیے کوشاں رہے ہیں۔ انسان دوستی کی بحث صرف مغربی فلسفے تک محدود نہیں بلکہ مشرقی افکار، آسمانی مذاہب اور عالمی ادب میں بھی یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ انسان دوستی دراصل انسانی تہذیب کی وہ مشترکہ قدر ہے جس پر تمام مہذب معاشرے متفق نظر آتے ہیں۔

لغوی اعتبار سے "انسان دوستی" دو الفاظ "انسان" اور "دوستی" سے مرکب ہے۔ "انسان" سے مراد بنی نوع انسان جبکہ "دوستی" سے مراد محبت، خیر خواہی، ہمدردی اور احترام ہے۔ اس طرح انسان دوستی کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ محبت، احترام، مساوات اور انصاف پر مبنی رویہ اختیار کیا جائے۔ اصطلاحی اعتبار سے انسان دوستی ایک ایسا فکری اور اخلاقی نظریہ ہے جس میں انسان کی عظمت، آزادی، مساوات، احترام اور بنیادی حقوق کو اولین حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس تصور میں مذہب، نسل، زبان، رنگ، قومیت یا طبقاتی امتیاز کو انسان کی قدر کا معیار نہیں بنایا جاتا بلکہ صرف انسان ہونا ہی اس کے احترام کی بنیاد قرار پاتا ہے۔ "

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان دوستی صرف جذباتی ہمدردی کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل سماجی اور اخلاقی نظام ہے جس کا مقصد انسانی وقار کی حفاظت اور معاشرے میں عدل و مساوات کا قیام ہے۔ اسی لیے انسان دوستی کو خدمتِ خلق، سماجی انصاف، انسانی حقوق، رواداری اور باہمی احترام کے مجموعے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ انسان دوستی کی بنیاد اس عقیدے پر قائم ہے کہ انسان بذاتِ خود ایک عظیم قدر ہے۔ اس کی جان، عزت، آزادی اور شخصیت ہر قسم کے سیاسی، مذہبی اور معاشی مفادات سے بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں جب بھی انسان پر ظلم ہوا تو فلسفیوں، مفکرین اور ادیبوں نے انسان دوستی کا علم بلند کیا عصر حاضر میں انسان دوستی کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور مادی ترقی نے انسان کو بے شمار سہولتیں تو فراہم کی ہیں لیکن ساتھ ہی جنگوں، استحصال، معاشی عدم مساوات، نسل پرستی اور سامراج نے انسانیت کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ جب انسان دوستی کمزور پڑتی ہے تو تہذیب بھی زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جدید دنیا میں انسان دوستی کو محض اخلاقی نظریہ نہیں بلکہ انسانی بقا کی بنیادی ضرورت سمجھا جانا چاہیے۔

انسان دوستی کی فکری بنیاد دراصل "تصورِ انسان" سے وابستہ ہے۔ جب تک انسان کی حقیقت، اس کی فطرت، اس کی اخلاقی حیثیت اور کائنات میں اس کے مقام کو نہ سمجھا جائے، اس وقت تک انسان دوستی کے تصور کو مکمل طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم فلسفے سے لے کر جدید فکری روایت تک تقریباً تمام فلسفیوں نے انسان کو اپنی فکر کا بنیادی موضوع بنایا ہے۔ زیرِ مطالعہ متن بھی اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ انسان محض جسمانی وجود نہیں بلکہ عقل، شعور، ارادہ اور اخلاقی ذمہ داری کا حامل ایک منفرد وجود ہے۔ یہ انسانی عظمت کا اعتراف ہی تو ہے کہ انسان کو کبھی کائنات کا 'مائیکروکوسم' کہا گیا اور کبھی اسے کائنات کی تصویر قرار دیا گیا۔ انسان کو پوری کائنات کا خلاصہ سمجھا گیا ہے۔ یعنی جو خصوصیات کائنات میں منتشر ہیں، وہ سب انسان میں مجتمع صورت میں موجود ہیں۔ اسی تصور نے بعد کے تمام انسان دوست فلسفوں کو جنم دیا۔ نقادین کے نزدیک انسان کی اصل برتری اس کی جسمانی ساخت نہیں بلکہ اس کی عقل اور شعور ہیں۔ یہی عقل انسان کو خیر و شر میں تمیز کرنے، تہذیب قائم کرنے اور معاشرے کی تعمیر کرنے کے قابل بناتی ہے۔ چنانچہ انسان دوستی کا آغاز بھی انسان کی اسی عقلی اور اخلاقی برتری کے اعتراف سے ہوتا ہے۔

انسان دوستی کی باقاعدہ فلسفیانہ بنیاد یونان میں رکھی گئی۔ یونانی مفکرین نے پہلی مرتبہ کائنات کے بجائے انسان کو اپنی فکری توجہ کا مرکز بنایا۔ اس سے پہلے فلسفی زیادہ تر کائنات، مادہ، عناصرِ اربعہ اور فطرت پر گفتگو کرتے

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20
ماخذ تحقیقی مجلہ

تھے، لیکن پانچویں صدی قبل مسیح میں فلسفے کا رخ انسان کی طرف مڑ گیا۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں عناصرِ کائنات کے بجائے انسان اور اس کی زندگی کا مطالعہ زیادہ اہمیت اختیار کر گیا یہ تبدیلی دراصل انسان دوستی کی تاریخ کا پہلا اہم سنگِ میل تھی، کیونکہ اس کے بعد انسان کو کائنات کی محض ایک مخلوق نہیں بلکہ فکر کا مرکز سمجھا جانے لگا۔ جیسے ہی دوسرے جنگ عظیم کا اغاز ہوا اور خون کی ارزانی ہوئی لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی جانوں کی قربانی دیدی گئی۔ یقینا" اس کا اثر ادب اور ادیبوں کی زندگیوں پر ہوا۔

"نشاۃ الثانیہ میں جب انسان دوستی اور انسانیت کی اصطلاح وجود میں آئی تو انسان ہی کائنات اور فلسفہ کا مرکز قرار پایا نشاط الثانیہ کی سب سے پہلے لہر سب سے بڑا علمبر داری روسو نظر آتا ہے وہ انسان کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جدھر دیکھو وہ پابازنجیر ہے روسو انسان کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ آزادی سے دستبر داری کا مطلب ہے انسانیت سے دستبر داری ہو جانا ہے۔ انسانیت کے بغیر انسان کا تصور، تصور ہی نہیں کیا جا سکتا جس شخص کے بطور انسان حقوق نہ ہو اس سے کسی بھی فرض کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ سو انسان پر جبر کا قائل نہیں وہ سچائی کو زبردستی قائم کرنے کے حق میں نہیں کیونکہ وہ سچا ہے اور حقیقت پسند ہے کہ سچائی انسانیت کا زیور ہے، جو کہ خوشی پہنچتی ہے زبردستی کی ضرورت نہیں مگر دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ حاصل انسانیت اور سماج کی تباہی کے مترادف ہے۔ روسو اپنی وقت کی دوسری ادیبوں کے لئے راہنمائی کا کام کرتا ہے، جبکہ کانٹ انسانوں کے لئے خصوصی رہنمائی کا کام دیتا ہے اسکے خیال میں مذہب انسانیت میں پوری طرح گم ہو جاتا ہے پھر اس مذہب کا وہ اپنے آپ کو بانی بھی خیال کرتا ہے۔"(۲)

یونانی فلسفے میں سقراط کو انسان دوستی کا اولین معمار کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ سقراط نے کوئی کتاب نہیں لکھی، لیکن اس کی تمام فکری جدوجہد انسان کی اخلاقی اصلاح کے لیے تھی۔ سقراط نے بھی دیگر مفکرین کی طرح انسان کو اپنا موضوعِ فکر بنایا۔ سقراط نے اسی شعور کو اپنے اہم واعظوں میں اجاگر کرنے کی کوشش کی مگر اسے اس پاداش میں زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ جیسے کے لکھا گیا ہے۔

"یونان علوم و فلسفہ کا مرکز تھا مگر سقراط کے عہد میں اس میں دو چیزوں کے فقدان نظر آتا ہے یونان علم وہ فلسفہ میں ترقی کے باوجود حقیقت شناس نہ تھے ظلم و جہل کے سبب

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

انسان اپنی ارفع مقام سے حیوانیت کے محرم ذلت میں جا گرتا ہے اور شعور زیاں سے بے خبر رہتا ہے سقراط نے اسی شعور دیا کو اپنے اہم وطنوں میں اجاگر کرنے کی کوشش کی مگر اسے اس پاداش میں زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ نوجوانوں کو گمراہ کرتا ہے"[۳]

یہ اقتباس اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ انسان دوستی ہمیشہ آسان راستہ نہیں رہی بلکہ تاریخ میں انسان کی آزادی اور شعور کی بات کرنے والوں کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ سقراط کے نزدیک انسان کی سب سے بڑی خوبی اس کا اخلاقی شعور تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرے تو معاشرے میں ظلم، استحصال اور ناانصافی خود بخود ختم ہو سکتی ہے۔ اسی لیے ان کی پوری فکر کا مرکز انسان کی داخلی اصلاح تھی۔ افلاطون نے اپنے استاد سقراط کی فکر کو مزید وسعت دی۔ اس کے نزدیک انسان صرف جسم نہیں بلکہ روح اور عقل کا مجموعہ ہے۔ عادل معاشرہ بھی اسی وقت وجود میں آ سکتا ہے جب انسان کے اندر عدل، حکمت اور اعتدال پیدا ہو۔ افلاطون کے حوالے سے پروٹاگورس کا مشہور قول نقل کیا گیا ہے

"انسان جملہ موجودات اور اشیائے کائنات کا پیمانہ ہے۔"[۴]

اگرچہ یہ قول پروٹاگورس سے منسوب ہے، لیکن متن اسے افلاطونی روایت کے تناظر میں پیش کرتا ہے۔ اس اقتباس کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی تمام قدریں انسان کے شعور سے معنی حاصل کرتی ہیں۔ انسان کے بغیر نہ حسن کا تصور باقی رہتا ہے اور نہ اخلاق کا۔ ارسطو نے انسان کو "معاشرتی حیوان" قرار دیتے ہوئے اس کی اخلاقی ذمہ داریوں پر زور دیا۔ اس کے نزدیک انسان کی تکمیل معاشرے کے اندر رہ کر ہی ممکن ہے۔ افلاطون اور ارسطو جیسے مفکرین نے انسان کے تصور، انسان کے انسان سے تعلق، کردار اور جذبات کے باہمی ربط کو واضح کیا۔

انسان دوستی کے اس اہم اصول کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسان کی شناخت صرف اس کی انفرادیت سے نہیں بلکہ اس کے سماجی تعلقات سے بھی وابستہ ہے۔ یونانی فکر میں سوفسطائی مفکرین نے بھی انسان دوستی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کا خیال تھا کہ کائنات کی حقیقت کو جاننے سے زیادہ ضروری انسان کو سمجھنا ہے۔ سوفسطائیوں کا خیال تھا کہ کائنات کو سمجھنے کے لیے انسانی کوشش بے کار ہے... اصل اہمیت اس سوال کی ہے کہ انسان کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ انسان دوستی کی بنیاد انسان کی ذات، اس کے شعور اور اس کی آزادی میں پوشیدہ ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

قرونِ وسطیٰ میں کلیسا کی مطلق العنانیت نے انسانی آزادی کو محدود کر دیا تھا، لیکن نشاۃِ ثانیہ نے انسان کو دوبارہ مرکزِ فکر بنا دیا۔ یہی دور جدید انسان دوستی کی حقیقی ابتدا سمجھا جاتا ہے۔ یورپ میں انسان اور تصورِ انسان پر بحث نشاۃِ ثانیہ سے شروع ہوئی، جب انسان نے مذہبی تنگ نظری کی دیواروں کو توڑ ڈالا اور کلیسا کے استعمار سے آزادی حاصل کر لی۔ اب انسان مرکزِ نگاہ تھا۔

انسان دوستی کی تاریخ کا سب سے اہم موڑ بیان کرتا ہے، کیونکہ اسی دور میں انسان کے حقوق، آزادی اور وقار پر باقاعدہ فلسفیانہ گفتگو شروع ہوئی۔ نشاۃِ ثانیہ کے ادیبوں میں شیکسپیئر نے بھی انسان کی عظمت کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ کیا ہی شاہکار انسان ہے۔۔۔ اپنی عقل میں کتنا شریف ہے۔۔۔ وہ کائنات کا حسن اور ذی روح کی بہترین تخلیق ہے شیکسپیئر کے نزدیک انسان محض عقل کا نام نہیں بلکہ حسن، احساس، تخلیق اور اخلاق کا مجموعہ ہے۔ انسان دوستی کسی ایک مفکر یا ایک تہذیب کی پیداوار نہیں بلکہ ایک مسلسل ارتقاپذیر فکری روایت ہے۔ یونان میں اس کا آغاز انسان کے شعور سے ہوا، نشاۃِ ثانیہ میں اسے آزادی ملی اور بعد کے ادوار میں اس نے انسانی حقوق، مساوات اور سماجی انصاف کی صورت اختیار کی۔ اس حوالے سے لکھا گیا ہے کہ۔

> "کیا ہی شاہکار انسان ہے وہ اپنی عقل شرافت میں کتنا شریف ہے اپنی صلاحیتوں میں کتنا لامحدود ہے۔ اپنے اظہار اور عمل مطالب و حرکت میں کتنا واضح اور لائق تحسین ہے اپنے عمل میں کس قدر فرشتہ ہے ،اپنے فہم ادراک میں کس قدر مثل خداوند ہے وہ کائنات کا حسن ذی روح کی بہترین تخلیق ہے"۔(۵)

انسان دوستی کا تصور یونانی فلسفے سے آغاز پا کر نشاۃِ ثانیہ میں نئی زندگی حاصل کرتا ہے، لیکن اس کی فکری تکمیل جدید مغربی فلسفے میں ہوتی ہے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مفکرین نے انسان کو مذہبی، سیاسی اور معاشی جبر سے آزاد کر کے اس کی انفرادی آزادی، وقار اور حقوق کو اپنی فکر کا مرکز بنایا۔ زیرِ مطالعہ متن میں روسو، کانٹ، مارکس، نطشے، ایرک فرام، سارتر اور البرٹ کامیو کے افکار کو اسی تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ ان مفکرین کے نظریات اگرچہ مختلف ہیں، لیکن ان سب کا بنیادی موضوع انسان اور اس کی فلاح ہے۔

جدید انسان دوستی کی تاریخ میں ژاں ژاک روسو کا نام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ روسو نے انسان کو فطرتاً آزاد اور پاکیزہ قرار دیا اور اس بات پر زور دیا کہ معاشرتی جبر، طبقاتی تقسیم اور سیاسی استبداد انسان کی اصل فطرت کو مسخ کر دیتے ہیں۔ اس کے نزدیک انسان کی عظمت اس کی آزادی میں پوشیدہ ہے۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

کارل مارکس نے انسان دوستی کو معاشی انصاف کے ساتھ وابستہ کیا۔ اس کے مطابق جب تک معاشرے میں استحصال، غربت اور طبقاتی تقسیم موجود رہے گی، حقیقی انسان دوستی ممکن نہیں ہو سکتی۔ کارل مارکس معاشی اور انقلابی دنیا میں ایک طاقتور آواز کی طرح داخل ہوا، اس نے اپنی کتاب" "سرمایہ" میں غریب مزدوروں کے حقوق اور معاشی انصاف کا پرچار کیا۔ مارکس کا کہنا تھا کہ

"مذہب عوام کے لئے افیون ہے"(۶)

مارکس معاشی انصاف کو سب سے بڑا نصب العین سمجھتے ہیں۔۔۔ پیٹ کی بھوک ظالم چیز ہے اور بھوکا انسان ہر طرح کی بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے معاشی ناانصافی صرف اقتصادی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی وقار کا بھی مسئلہ ہے۔ مارکس کے نزدیک اگر معاشرہ انصاف پر قائم ہو تو انسان کی فطری نیکی بھی نمایاں ہو سکتی ہے۔ انسان اپنے ماحول کو بدلنے کے عمل میں اپنی فطرت کو بھی بدلتا ہے یہ نظریہ انسان دوستی کے سماجی پہلو کو نمایاں کرتا ہے کہ فرد اور معاشرہ ایک دوسرے پر مسلسل اثر انداز ہوتے ہیں۔ فریڈرک نطشے نے انسان کی داخلی قوت، ارادے اور خود اعتمادی پر زور دیا۔ اگرچہ اس کے نظریۂ فوق البشر پر مختلف آراء موجود ہیں مزید یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ علامہ اقبال کا مردِ مومن نطشے کے فوق البشر سے بلند تر تصور رکھتا ہے کیونکہ اقبال کے نزدیک طاقت کے ساتھ روحانیت، اخلاق اور انسان دوستی بھی ضروری ہے۔

> "اقبالؔ کو نطشے سے اختلاف ہے کے اس کے ہاں مادیت ہے نطشے کا سوپر مین غیر معمولی قوتوں اور صلاحیتوں کا مالک ہے لیکن وہ مادی ہے روحانی نہیں، وہ جابر بھی ہو سکتا ہے اور اس کے وجود سے دنیاوی اقتدار کی بو آتی ہے چنانچہ دنیا کی بڑی بڑی سیاسی شخصیتوں مثلاً نپولین کو نطشے کے سوپر مین سے مثال دی گئی ہیں، کوئی دنیاوی یا سیاسی شخصیت اقبالؔ کا انسان کامل نہیں ہو سکتے، فوق البشر انسان کا تصور پیش کرتے ہوئے نطشے نے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ بلندیاں پستیوں سے کہیں خطرناک ہیں کے ان سے افتاد کا مکان ہے"۔(۷)

محض قوت انسان دوستی کی ضمانت نہیں بن سکتی، بلکہ قوت کے ساتھ اخلاق اور انسانیت بھی ضروری ہیں۔

وجودیت بیسویں صدی کا وہ فلسفہ ہے جس نے انسان کو اس کے عمل، آزادی اور ذمہ داری کے حوالے سے دیکھا۔ ژاں پال سارتر کے مطابق انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے اور اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ وجودیت انسان کو

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20
ماخذ تحقیقی مجلہ

اپنے عمل کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے، اور اپنے عمل میں انسان تنہا نہیں ہوتا بلکہ اس کے عمل کا براہِ راست اثر دوسروں پر بھی ہوتا ہے۔

"جب ہم 'میں سوچتا ہوں کا ذکر کرتے ہیں تو ہم دوسروں کی موجودگی میں اپنی ذات تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ مزید براں ہمیں دوسروں کی ذات میں کا اتنا ہی یقین ہوتا ہے جتنا کہ اپنی ذات کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شعور ذات میں اپنے تئیں براہ راست دریافت کرتا ہے وہ دوسروں کو بھی دریافت کرتا ہے" (۸)

دوسری عالمی جنگ کے بعد البرٹ کامیو نے انسان کے وجودی بحران کو موضوع بنایا۔ اگرچہ اس نے انسان کی بے معنویت پر بحث کی، لیکن آخرکار وہ ظلم کے خلاف مزاحمت کو ہی انسانیت کی اصل پہچان قرار دیتا ہے۔ جدید انسان دوستی کی نہایت خوبصورت تعبیر پیش کرتا ہے کہ انسان اپنی مشکلات کے باوجود ظلم کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ جدید مغربی مفکرین کے افکار کو محض تاریخی ترتیب سے بیان نہیں کیا گیا بلکہ ان کے درمیان فکری ربط بھی قائم کیا گیا ہے۔ روسو آزادی کی بات کرتا ہے، کانٹ اخلاقی وقار کی، مارکس معاشی انصاف کی، نطشے داخلی قوت کی، ایرک فرام انسان کی داخلی بے قدری کی، اور سارتر و کامیو انسانی ذمہ داری اور مزاحمت کی۔ یہ تمام افکار مجموعی طور پر اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ انسان دوستی ایک ہمہ جہت تصور ہے، جس میں آزادی، اخلاق، انصاف، ذمہ داری اور انسانی وقار ایک دوسرے سے جدا نہیں کیے جاسکتے۔

انسان دوستی کا تصور کسی ایک فلسفی، مذہب یا تہذیب تک محدود نہیں بلکہ انسانی تاریخ کی ایک مشترکہ اخلاقی اور تہذیبی قدر ہے۔ اگر انسانی تہذیب کے ارتقائی سفر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب نے انسان کی عظمت، اس کے احترام، معاشرتی مساوات، عدل و انصاف، ہمدردی اور خدمتِ خلق کو اپنی تعلیمات کا بنیادی جزو قرار دیا ہے۔ اگرچہ مختلف مذاہب کے عقائد، عبادات اور معاشرتی نظام ایک دوسرے سے مختلف ہیں، تاہم انسان کی عزت و تکریم، ظلم سے اجتناب، کمزور طبقات کی مدد اور باہمی محبت جیسے اصول تقریباً ہر مذہبی روایت میں مشترک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان دوستی کو ایک آفاقی اخلاقی قدر کہا جاتا ہے، جس نے مختلف ادوار میں انسانی تہذیب کی تعمیر اور معاشرتی استحکام میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ زیرِ مطالعہ متن بھی اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ انسان دوستی کا تصور محض فلسفیانہ نظریہ نہیں بلکہ ایک ایسا عملی نظامِ فکر ہے جو مختلف مذہبی روایات میں اپنی مخصوص صورتوں کے ساتھ موجود ہے۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

"مذہب تخلیق کائنات کی ذمہ داری ایک ایسی شخصیت پر ڈالتا ہے جو آدمی سے ملتی جلتی ہے مگر کہیں زیادہ طاقتور اور سمجھدار ہے یعنی یہ ایک طرح کا فوق البشر ہے"۔(۹)

ہندو مت میں انسان دوستی کا تصور "دھرم" کے اصول سے وابستہ ہے۔ دھرم صرف مذہبی رسوم کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا اخلاقی نظام ہے جو انسان کو سچائی، عدل، رحم، محبت اور خدمتِ خلق کی تلقین کرتا ہے۔ ہندو فلسفے کے مطابق تمام انسان ایک ہی کائناتی روح کے مظاہر ہیں، اس لیے کسی انسان کے ساتھ ظلم کرنا دراصل پوری انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ اسی بنیاد پر عدم تشدد، برداشت، ایثار اور خیر خواہی کو اعلیٰ انسانی اقدار میں شمار کیا گیا ہے۔ ہندو مت کی متعدد مذہبی روایات انسان کو اس بات کی تلقین کرتی ہیں کہ وہ اپنے ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر اجتماعی بھلائی کے لیے کام کرے، کیونکہ معاشرے کی فلاح ہی فرد کی حقیقی کامیابی ہے۔ اس تصور نے برصغیر کی تہذیبی روایت پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے اور باہمی رواداری، مذہبی برداشت اور انسان دوستی کے متعدد رجحانات کو فروغ دیا۔

"امریکی انسان، یہ انسان ہر قسم کی الائشوں سے تو خیر پاک ہی ہے اس پر طرہ یہ کہ بیمار تک نہیں پڑتا۔ یہ عقیدہ ایک جذباتی افیم ہے کے جس کے پس پردہ جمہوریت پر پرانے سماجی نظام کو مستحکم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے"۔(۱۰)

بدھ مت میں انسان دوستی کی بنیاد رحم، شفقت اور دُکھ کے خاتمے پر رکھی گئی ہے۔ گوتم بدھ نے انسانی زندگی کو دکھ اور تکلیف سے عبارت قرار دیتے ہوئے اس کے ازالے کے لیے محبت، اعتدال، صبر، خدمت اور عدم تشدد کی تعلیم دی۔ بدھ مت کے مطابق ہر انسان احترام اور ہمدردی کا مستحق ہے، کیونکہ تمام انسان دکھ اور خوشی کے یکساں احساسات رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدھ مت میں کسی بھی جاندار کو اذیت پہنچانا اخلاقی طور پر ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ انسان دوستی کا یہ تصور محض نظریاتی نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی نمایاں نظر آتا ہے، جہاں خدمتِ خلق، خیرات، عاجزی اور برداشت کو روحانی ارتقا کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس مذہبی فکر نے ایشیائی معاشروں میں امن، برداشت اور سماجی ہم آہنگی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ کرشن کمار اپنی تصنیف 'گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک" میں لکھتے ہیں

"بدھ انسان کو لاحق ان دکھوں کا انسداد ضبط طلب میں ڈھونڈتے ہیں۔ ان کا ایقان ہے کہ خواہش پر قابو پا کر انسان جنم اور مرن کے چکر سے ہمیشہ سے نجات پا کر نروان کی منزل حاصل کر سکتا ہے"(۱۱)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

ماخذ تحقیقی مجلہ

کنفیوشسیت میں انسان دوستی کو اخلاقی کردار اور سماجی ذمہ داری کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ کنفیوشس کے نزدیک ایک مثالی معاشرہ وہ ہے جہاں ہر فرد دوسروں کے حقوق کا احترام کرے، اپنے فرائض دیانت داری سے ادا کرے اور اخلاقی اقدار کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے۔ اس فکر میں انسان کی انفرادی کامیابی سے زیادہ اجتماعی خیر کو اہمیت حاصل ہے۔ احترامِ انسان، والدین کی خدمت، بزرگوں کی عزت، انصاف اور معاشرتی توازن کو بنیادی انسانی اقدار قرار دیا گیا ہے۔ کنفیوشس کے نزدیک ایک اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یہی اصول بعد میں مشرقی تہذیبوں میں باہمی احترام اور سماجی استحکام کی بنیاد بنا۔

یہودیت میں انسان کو خدا کی تخلیق اور اس کا نائب تصور کیا گیا ہے۔ اس مذہبی روایت میں عدل، دیانت، سچائی اور رحم کو بنیادی اخلاقی اصولوں کی حیثیت حاصل ہے۔ معاشرے کے کمزور طبقات، یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مند افراد کی مدد کو مذہبی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی مذہبی قوانین میں انسانی جان، عزت اور مال کے تحفظ کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔ اگرچہ یہودیت کی بعض تعلیمات مخصوص قومی تناظر رکھتی ہیں، تاہم اس کے اخلاقی اصول انسان دوستی کے وسیع تصور سے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔

عیسائیت میں انسان دوستی کی اساس محبت، ایثار، معافی اور قربانی پر قائم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں انسان سے محبت کو خدا کی محبت کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ انجیل کی اخلاقی تعلیمات انسان کو نفرت کے جواب میں محبت، ظلم کے مقابلے میں صبر اور انتقام کے بجائے درگزر کا درس دیتی ہیں۔ عیسائی روایت میں بیماروں کی خدمت، غریبوں کی مدد، محتاجوں کی کفالت اور سماجی بہبود کو مذہبی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر میں تعلیم، صحت اور فلاحی خدمات کے متعدد ادارے اسی مذہبی فکر کے زیرِ اثر وجود میں آئے۔ عیسائیت کا یہ پہلو انسان دوستی کو عملی خدمتِ خلق کے ساتھ جوڑتا ہے۔

اسلام میں انسان دوستی کا تصور دیگر تمام مذہبی روایات کے مقابلے میں نہایت جامع اور متوازن صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسلام انسان کو محض ایک معاشرتی فرد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی معزز مخلوق قرار دیتا ہے۔ قرآنِ مجید انسان کی عزت، جان، مال، آزادی، انصاف اور مساوات کے تحفظ کو بنیادی اصول قرار دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک تمام انسان ایک ہی اصل سے پیدا کیے گئے ہیں، اس لیے رنگ، نسل، زبان، قومیت یا معاشی حیثیت کسی انسان کی فضیلت کا معیار نہیں بن سکتی۔ حقیقی فضیلت صرف تقویٰ، کردار اور اخلاق میں ہے۔ اسی تصور نے اسلامی تہذیب میں مساوات، اخوت، عدل، رواداری اور خدمتِ خلق جیسے اصولوں کو فروغ دیا۔ اسلام میں زکوٰۃ،

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20
ماخذ تحقیقی مجلہ

صدقات، خیرات، حسنِ سلوک، صلہ رحمی، عفو و درگزر اور عدل جیسے احکام دراصل انسان دوستی کی عملی صورتیں ہیں، جن کا مقصد معاشرے میں معاشی اور سماجی توازن قائم کرنا ہے۔ اللہ نے انسان کی تقویم احسن طریقے سے کی ہے۔

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ"

ترجمہ: "یقیناً ہم نے انسان کو بہتر صورت میں پیدا کیا"[۱۲]

اگرچہ مختلف مذاہب انسان دوستی کی تعبیر اپنے اپنے عقائد اور تہذیبی پس منظر کے مطابق کرتے ہیں، لیکن ان سب کے درمیان ایک مشترکہ اخلاقی رشتہ موجود ہے۔ ہر مذہب انسان کی عزت، محبت، انصاف، رحم، خدمتِ خلق اور معاشرتی ذمہ داری کو بنیادی انسانی اقدار قرار دیتا ہے۔ یہی مشترکہ اقدار انسانی تہذیب کی اصل بنیاد ہیں اور جدید دنیا میں بین المذاہب ہم آہنگی اور عالمی امن کے لیے بھی انہی اصولوں کی ضرورت ہے۔ انسان دوستی کا حقیقی مفہوم اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب انسان مذہبی، نسلی، لسانی اور معاشرتی تعصبات سے بلند ہو کر ہر انسان کو اس کے بنیادی انسانی وقار کے ساتھ قبول کرے اور اس کے حقوق کے تحفظ کو اپنی اخلاقی ذمہ داری سمجھے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان دوستی انسانی تہذیب کی ان آفاقی اقدار میں سے ہے جو زمان و مکان، نسل، مذہب، زبان اور جغرافیائی حدود سے ماورا ہو کر انسان کی عزت، وقار اور بنیادی حقوق کے تحفظ کا درس دیتی ہیں۔ زیرِ مطالعہ متن کے تحقیقی جائزے سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ انسان دوستی محض ایک اخلاقی جذبہ یا سماجی رویہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری، فلسفیانہ، مذہبی اور تہذیبی نظریہ ہے جس نے مختلف ادوار میں انسانی فکر کی تشکیل اور معاشرتی ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ انسان کی حیثیت، اس کی آزادی، مساوات، عدل، محبت، رواداری اور خدمتِ خلق جیسے تصورات اسی نظریے کے بنیادی ستون ہیں، جن کے بغیر کسی مہذب معاشرے کا تصور ممکن نہیں۔ اس مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قدیم یونانی فلسفے سے لے کر نشاۃِ ثانیہ اور جدید مغربی فلسفے تک انسان کو مسلسل فکری مرکزیت حاصل رہی ہے۔ سقراط نے اخلاقی شعور کو انسان کی اصل پہچان قرار دیا، افلاطون اور ارسطو نے انسانی کردار اور عدل کی اہمیت کو اجاگر کیا، روسو نے آزادی کو انسانی وقار کی بنیاد قرار دیا، کانٹ نے انسان کو بذاتِ خود ایک مقصد تسلیم کیا، مارکس نے معاشی انصاف کو انسانی عظمت سے جوڑا، جبکہ وجودی مفکرین نے انسان کی آزادی، ذمہ داری اور باوقار وجود کو اپنی فکر کا محور بنایا۔ ان تمام نظریات کا مشترکہ نکتہ یہ ہے

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN(P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

کہ انسان اپنی اصل حیثیت میں احترام اور تکریم کا مستحق ہے اور کسی بھی قسم کا ظلم، استحصال یا امتیاز انسان دوستی کی روح کے منافی ہے۔

مزید اگر دیکھا جائے تو انسان دوستی کسی ایک تہذیب یا فلسفیانہ مکتبِ فکر تک محدود نہیں بلکہ تمام بڑے مذاہب نے بھی انسان کی عظمت، ہمدردی، رحم، عدل اور خدمتِ خلق کو اپنی تعلیمات کا بنیادی جزو قرار دیا ہے۔ ہندو مت، بدھ مت، کنفیوشسیت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام، اگرچہ اپنے اعتقادی اور فکری پہلوؤں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، تاہم سب اس امر پر متفق ہیں کہ انسان کی جان، عزت اور حقوق کا احترام ہر حال میں لازم ہے۔ بالخصوص اسلامی تعلیمات انسان دوستی کو عقیدۂ توحید، عدل، مساوات، اخوت، ایثار اور خدمتِ انسانیت کے ساتھ مربوط کرتی ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقی انسان دوستی صرف نظریاتی گفتگو نہیں بلکہ ایک عملی طرزِ زندگی ہے۔ اور اگر جدید دنیا کو درپیش مسائل، مثلاً جنگ، دہشت گردی، معاشی استحصال، نسلی تعصب، مذہبی عدم برداشت، طبقاتی تفاوت اور انسانی حقوق کی پامالی، دراصل انسان دوستی کے اصولوں سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔ اگر انسانی معاشرہ عدل، رواداری، مساوات، باہمی احترام اور خدمتِ خلق جیسے اصولوں کو اپنی اجتماعی زندگی کا حصہ بنا لے تو نہ صرف انفرادی شخصیت کی تعمیر ممکن ہو گی بلکہ ایک متوازن، پُرامن اور فلاحی معاشرے کی تشکیل بھی ممکن ہو سکے گی۔ اس اعتبار سے انسان دوستی محض ایک ادبی یا فلسفیانہ اصطلاح نہیں بلکہ عصرِ حاضر کی ناگزیر سماجی ضرورت ہے۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان دوستی کا حقیقی مفہوم انسان کی ظاہری یا مادی ترقی تک محدود نہیں بلکہ اس کی فکری، اخلاقی، روحانی اور سماجی بالیدگی سے وابستہ ہے۔ یہی وہ تصور ہے جو انسان کو اپنے ذاتی مفادات سے بلند ہو کر پوری انسانیت کی بھلائی، امن، محبت، رواداری اور انصاف کے لیے کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ زیرِ مطالعہ متن بھی اسی جامع حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ جب تک انسان دوسرے انسان کے وقار، آزادی اور حقوق کا احترام نہیں کرے گا، اس وقت تک نہ حقیقی تہذیب قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی انسان دوستی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں انسان دوستی کے نظریے کو فروغ دینا نہ صرف علمی و فکری ضرورت ہے بلکہ ایک بہتر، عادلانہ اور پُرامن عالمی معاشرے کی تشکیل کے لیے ناگزیر تقاضا بھی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نصیر احمد ناصر، "سرگزشت فلسفہ"، لاہور فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۹۱ء بار چہارم ص۔ ۱۴ تا ۱۵

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 4, (Oct to Dec 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-IV)urdu-20

۲۔ہیر الڈ ہولڈ نگ،"تاریخ فلسفہ جدید"۔۱۰مترجم۔خلیفہ عبدالحکیم کراچی نفیس اکیڈمی ۱۹۷۸ء ص ۴۱۳

۳۔ علی عباس جلال پوری"روایات فلسفہ"، منظور پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء بار چہارم۔ ص ۴۸

۴۔افلاطون،تھیایتیٹس،152a ۔ 420,480 قبل مسیح ویکیپیڈیا بتاریخ فروری ۲۰۲۶ء)

۵۔ حسین ممتاز،"شکیسپئر کے المیے"،لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۴ء ص ۲۲۲

۶۔ماکس، ہیگل ہیگل کی فلسفہ حق پر تنقید میں حصے، ص ۵۴ پیرس ڈی سی وولٹ ۱۸۴۴

۷۔ جمیل جالبی، "قومی انگریزی اردو لغت"، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، طبع چھارم ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۶

۸۔ جمیل جالبی۔"قومی انگریزی اردو لغت"، اسلام اباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، طبع چھارم ۱۹۹۹ء، ص ۱۶

۹۔ شہزاد احمد "فرآئیڈ کے نفسیات دو دور"، لاہور سنگ میل پبلیکیشنز ۴ء۱۹ء ص ۳۹۷

۱۰۔ عسکری، محمد حسن،"ستارہ یا بادبان" علی گڑھ بک ڈپو ۱۹۷۷ء ص ۲۸۲۱۸

۱۱۔ کرشن، کمار،"(مترجمہ)"پرکاش دیو ۲۶،لاہور۔ نگارشات ۲۰۰۲ء ص ۲۴۲۔۔۲۴۶

۱۲۔ قرآن کریم،"سورۃ التین"، تاج کمپنی لمیٹڈ ۲۰۲۲ء آیت ۴